تدبّرِ قرآن

۱۱۳

الفلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ کا مضمون اور سابق ولاحق سے تعلق

سابق سورہ ——— الاخلاص ——— کی تمہید میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ توحید کو دین کی اساس کی حیثیت حاصل ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز بھی توحید ہی سے فرمایا اور پھر اس کا اتمام بھی اسی پر کیا۔ گویا اصلاً قرآن کی آخری سورۃ الاخلاص ہوئی۔ اس کے بعد دو سورتیں، جو معوّذتین کے نام سے موسوم ہیں، اس خزانۂ توحید کے پاسبان اور محافظ کی حیثیت سے اس کے ساتھ لگا دی گئی ہیں جن میں ان تمام آفتوں سے بندوں کو اپنے رب کی پناہ مانگنے کی دعا تلقین فرمائی گئی ہے جو درباب توحید ان کے لیے مزلّۂ قدم ہو سکتی ہیں۔

توحید کے لیے اس اہتمام خاص کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تمام دین کی بنیاد ہے۔ اگر بندے کا قدم توحید میں استوار ہے تو وہ دین پر استوار ہے۔ اگر وقتی طور پر اس سے کوئی لغزش صادر بھی ہو گی تو اساسِ دین سے وابستہ ہونے کے سبب سے امید ہے کہ اس کو اصلاح کی توفیق ملے اور وہ راہ راست پر آجائے۔ برعکس اس کے اگر درباب توحید اس کو کوئی گمراہی پیش آگئی تو اندیشہ ہے کہ وہ ہر قدم پر دین سے دور ہی ہوتا جائے گا اور درجہ بدرجہ اتنا دور ہو جائے گا کہ اس کے لیے دین کی طرف بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جس امتحان میں ڈالا گیا ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرتے دم تک شیطان کا مقابلہ کرے اور اس کو شکست دے۔ شیطان کے مقابل میں اس کی اسی فتحمندی پر اس کی اُخروی فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ شیطان کا خاص داؤ جس پر اس نے انسان کو شکست دینے کی قسم کھا رکھی ہے یہی توحید ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج دے رکھا ہے کہ وہ انسان کی گھات میں توحید کی راہ پر بیٹھے گا اور اس کو اس راہ سے ہٹا کر شرک کی راہ پر ڈال دے گا۔ سورۂ اعراف میں اس کے اس چیلنج کا ذکر یوں ہوا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ
لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ
اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ
وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝
(الاعراف - ۷ : ۱۶ - ۱۷)

شیطان نے کہا، بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے
گمراہی میں ڈالا، میں بھی ان کی (بنی آدم کی)
گھات میں تیری سیدھی راہ (توحید) پر بیٹھوں گا۔
پھر میں ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے،
ان کے دہنے سے اور ان کے بائیں سے ان پر
تاخت کروں گا۔ پس تو ان سے اکثر کو اپنا شکرگزار
(موحّد) نہیں پائے گا۔

شیطان کے ان ہتھکنڈوں کی تفصیل جو وہ انسان کو شرک کے جال میں پھنسانے کے لیے اختیار کرے گا خود شیطان کی زبان سے سورۂ نساء میں یوں بیان ہوئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ
بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ
يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَ
مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ
خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝
(النساء - ۴ : ۱۱۶ - ۱۱۹)

اللہ اس جرم کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ کسی
کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے
سوا جو گناہ ہیں ان کو جس کے لیے چاہے گا
بخش دے گا۔ اور جو اللہ کا شریک
ٹھہرائے گا تو وہ نہایت دور کی گمراہی میں جا
پڑا۔ یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے بھی ہیں تو
دیویوں کو، اور پکارتے بھی ہیں تو شیطان سرکش
کو وہ اس پر اللہ کی لعنت۔ اور اس نے کہہ
رکھا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک
مقررہ حصہ ہتھیا کر رہوں گا۔ ان کو گمراہ کر
ڈالوں گا، ان کو آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا
اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان
کاٹیں گے اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ اللہ کی
بنائی ہوئی ساخت کو بدلیں گے اور جو اللہ
کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز بنائے گا تو وہ
نہایت کھلی نامرادی میں پڑا۔

اس سے بھی زیادہ جامعیت سے یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۶۱ - ۶۵ میں بھی

آیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ان آیات کی تفسیر "تدبر قرآن" میں پڑھ لیجیے[1] تاکہ ان کے مضمرات اچھی طرح آپ کے سامنے آجائیں، اور واضح ہو جائے کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ وہ انسان کو شرک کے کسی پھندے میں پھنسائے تاکہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کر کے خدا کی رحمت سے بالکل محروم ہو جائے جس کے لیے مغفرت نہیں ہے۔ شیطان کے دل میں بنی آدم کے خلاف جو حسد و غصہ ہے وہ اسی انتقام سے تسکین پاتا ہے۔

یہ چیز مقتضی ہوئی کہ آخر میں توحید کی جامع تعلیم کے ساتھ ساتھ شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا وہ طریقہ بھی بتا دیا جائے جو سب سے زیادہ کامیاب طریقہ ہے اور جس کو اختیار کر کے اللہ کا ہر بندہ شیطان کے حملوں سے اپنے خزانۂ توحید کی حفاظت کر سکتا ہے۔

اسی طریقہ کو واضح کرنے کے لیے آگے کی دونوں سورتوں میں پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ شیطان جیسے شاطر دشمن کے حملوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا واحد طریق یہ ہے کہ انسان صرف اپنے رب کی پناہ ڈھونڈھے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اس کی شاطرانہ چالوں اور کیّادیوں سے بچانے والا نہیں ہے۔ اگر انسان اس کے لیے ہر لمحہ چوکنا نہیں رہے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ شیطان سے مار کھا جائے اور پھر اس کے لیے اس کے دام سے نکلنا مشکل ہو جائے۔

دوسری چیز یہ بتائی گئی ہے کہ خدا کی وہ کیا صفات ہیں جن کے واسطہ سے بندے کو خدا کی وہ پناہ حاصل ہوتی ہے جو اس کو شیطان کے فتنوں سے بالکل مامون کر دیتی ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کے بتانے کی تھی اور یہ اس کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے ان سورتوں میں اپنی ان صفات سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا صحیح تعلق اس کی اعلیٰ صفات ہی کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے اور یہ اسی کو معلوم ہے کہ اس کے بندے اپنے کس دشمن سے مقابلہ کے لیے اپنے رب کی کس صفت کو سپر بنائیں۔ یہ چیز ہر شخص نہیں جان سکتا اور اس میں معمولی غلطی بھی انسان کی جدوجہد کو بے اثر بنا سکتی ہے۔

تیسری چیز اس میں یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے کے معاملے میں شیطان کی جدوجہد کی رسائی کہاں تک ہے اور اس کے سب سے زیادہ مؤثر حربے کیا ہیں۔ اس سے مقصود انسان کو اس کے دشمن کی طاقت کا اندازہ کرا دینا ہے تاکہ وہ اس کی قوت سے نہ مرعوب ہو اور نہ اس سے بے پروا رہے بلکہ وہ اچھی طرح آگاہ رہے کہ دشمن کن راستوں سے اس پر وار کر سکتا ہے اور

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن - جلد سوم، صفحات : ۷۶۳ - ۷۶۵

اس کے مقابلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود اسے کن طاقتور اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے۔
ان اشارات کی روشنی میں پہلے سورۂ فلق کی تلاوت فرمائیے۔

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

مَدَنِيَّةٌ ــــــــ اٰيات : ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ ② وَ آیات ۱ - ۵
مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ
فِي الْعُقَدِ ۙ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ ع ۵ ۳۸

کہہ، میں پناہ مانگتا ہوں نمودار کرنے والے خداوند کی، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے اور اندھیرے کی آفت سے جب وہ چھا جائے اور گرہوں میں پھونک مارنے والوں کی آفت سے اور حسد کرنے والے کی آفت سے جب وہ حسد کرے۔ ۱ - ۵ ترجمہ آیات ۱ - ۵

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱)

'فلق' کا وسیع مفہوم

'اَلْفَلَق' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے صبح کیا ہے لیکن اس کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ صبح چونکہ شب کے پردے کو چاک کر کے نمودار ہوتی ہے اس وجہ سے اس پر بھی اس کا اطلاق ہوا۔ لیکن پھاڑ کر نمودار ہونے والی چیز صرف صبح ہی نہیں ہے۔ ہر چیز کسی نہ کسی چیز کے اندر سے اس کو چاک کر کے ہی نمودار ہوتی ہے۔ گٹھلی سے پودا نمودار ہوتا ہے، دانے کو پھاڑ کر انکھوے نکلتے ہیں، زمین کو پھاڑ کر نباتات اگتی ہے، پہاڑوں کا سینہ چاک کر کے چشمے اور دریا ابلتے ہیں، اسی طرح انڈے کو پھاڑ کر بچے نکلتے ہیں اور رحم کے منہ کو کھول کر دوسری تمام زندہ مخلوقات وجود پذیر ہوتی ہیں۔ پھر لفظ 'فَلَق' کو اس قدر محدود کر دینے کے لیے کیا جواز ہے؟ ہمارے نزدیک اس کو اس کے وسیع معنی میں رکھنا ہی موقع و محل کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔ لغت میں یہ لفظ وسیع معنی میں آیا بھی ہے۔ قرآن میں جس طرح 'فَالِقُ الْاِصْبَاحِ' (الانعام - ۶: ۹۶) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے اسی طرح 'فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی' (الانعام - ۶: ۹۵) کی ترکیب بھی وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمان سے متعلق ارشاد ہے کہ 'کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا' (الانبیآء - ۲۱: ۳۰) وہ دونوں بند ہوتے ہیں تو ہم ان کو پھاڑتے ہیں۔ یعنی آسمان کو کھول کر اس سے پانی برساتے اور زمین کو پھاڑ کر اس سے نباتات اگاتے ہیں۔

میں نے لفظ کی اس وسعت کو پیش نظر رکھ کر 'رَبِّ الْفَلَق' کا ترجمہ 'نمودار کرنے والے خداوند' کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ترجمہ زیادہ جامع اور معنی خیز ہے۔ آگے کے مضمون سے بھی اس کو، جیسا کہ وضاحت آ رہی ہے، زیادہ مناسبت ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۲)

مخلوقات کے شر سے پناہ خالق ہی دے سکتا ہے

یہ اس مقصد کا حوالہ ہے جس کے لیے تمام عالم کے نمودار کرنے والے خداوند کی دہائی کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا کہ جس خداوند نے تمام عالم کو نمودار کیا ہے اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے پناہ ان کے پیدا کرنے والے ہی سے مانگو، کسی دوسرے سے نہ مانگو۔ کوئی دوسرا ان کے شر سے پناہ اسی صورت میں دے سکتا ہے کہ جب وہ ان کے پیدا کرنے والے سے زیادہ طاقتور ہو اور یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے کہ کوئی چیز خالقِ کائنات سے زیادہ قدرت و اختیار والی ہو یا ہو سکے

اس وجہ سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے کسی غیر خدا کی پناہ ڈھونڈنا سراسر سفاہت ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ چیزیں جتنی بھی ہیں سب خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ خالق اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اللہ نے چیزیں مقصدِ خیر سے پیدا کی ہیں لیکن وہ اس کے حکم سے شر بھی بن جاتی ہیں،

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ اصلاً مقصدِ خیر سے پیدا کی ہیں لیکن وہ جب چاہے ان کو شر میں بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ بارش اس دنیا کے لیے سراسر رحمت ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس کو عذاب بھی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح خود انسان اپنی بے خبری اور سوءِ استعمال سے ایک چیز کو جو اصلاً نافع ہے، مضر بنا لیتا ہے۔ اشیاء کے ان بُرے پہلوؤں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ آدمی خدا ہی سے استعاذہ کرے۔ نہ ان اشیاء میں سے کسی چیز کو مؤثر بالذّات سمجھ کر ان کی دہائی دینی شروع کر دے جس طرح مشرک قومیں کرتی ہیں اور نہ خدا کے سوا کسی 'غوث' یا 'قطب' کو پکارنا شروع کر دے کہ وہ آکر خدا کی اس پکڑ سے اس کو بچائیں۔ خدا کی پکڑ سے خدا کے سوا کوئی دوسرا رہائی نہیں دے سکتا۔ آفتوں سے اپنے کو بچانے کی جو جائز تدبیریں انسان اختیار کرتا ہے، مثلاً کسی بیماری میں ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے، تو یہ چیز اس کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ طبیبِ حقیقی صرف اللہ ہے، شفا صرف اسی کے اختیار میں ہے، اگر وہ شفا نہ دے تو کسی دوسری طاقت کے بس میں نہیں ہے کہ وہ کسی معمولی سے معمولی بیماری سے بھی نجات دے سکے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ ایک ہی کلمہ شرک کے بہت سے دروازوں کے بند کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس سے ثنویت اور خیر و شر کی الگ الگ خدائی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ مشرک قومیں ہر آفت کو بجائے خود ایک مستقل نافع و ضار وجود سمجھ کر اس کی دہائی پکارنی شروع کر دیتی ہیں۔ حالانکہ کوئی آفت اپنا خود کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں ہی کے ظلال و آثار میں سے ہیں جو اللہ ہی کے اذن سے وجود میں آتی ہیں، اسی کے حکم سے اثر انداز ہوتی ہیں اور تنہا اسی کی مدد سے ان کے شر سے نجات ملتی ہے اس وجہ سے حقیقی پناہ اور ماویٰ و ملجا وہی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۳)

شر کا وجود مستقل بالذات نہیں ہے

'غَاسِقٌ' رات کو کہتے ہیں جب شفق غائب ہو جانے کے بعد اس کی تاریکی بڑھ جائے۔ 'وقب' کے معنی تاریکی چھا جانے کے ہیں۔ اہلِ لغت نے 'غَاسِقٌ' کے معنی چاند کے بھی لکھے ہیں۔ لیکن یہاں 'اِذَا وَقَبَ' کا قرینہ اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے مراد رات ہی ہے۔ اس لیے کہ اس کی تاریکی جب بڑھتی ہے تو اپنے دامن میں آفتیں لیے ہوئے بڑھتی ہے۔

یہ ٹکڑا بہترین مثال ہے اس بات کی کہ اس دنیا میں شر کا وجود مستقل بالذات نہیں ہے کہ خیر و شر کے خالق الگ الگ مانے جائیں اور دونوں کی دہائی دی جائے بلکہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں ہی کے متعلقات و حواشی میں سے ہے اس وجہ سے اس سے بچنے کے لیے کسی غیر اللہ کی نہیں بلکہ اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈنی اور اسی کی دہائی دینی چاہیے۔

قرآن میں یہ بات جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ اس دنیا کے بقا کے لیے جس طرح دن اور اس کی روشنی و حرارت ضروری ہے اسی طرح رات اور اس کی خنکی و سکون بخشی بھی ضروری ہے، پھر ظاہری تضاد کے باوصف دنیا کے بقا میں ان دونوں کے توافق کو توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہاں اسی رات کے شر سے پناہ مانگنے کی دعا تلقین کر کے گویا یہ درس دیا گیا ہے کہ رات کی جو تاریکی تمھاری راحت کے لیے ناگزیر ہے اسی کے ظلال و آثار میں سے یہ چیز بھی ہے کہ اس میں چور، قاتل، دشمن اور حشرات و ہوام نکلتے ہیں جن سے تمھیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ شب کے سکون میں ان غیر مطلوب چیزوں کی مداخلت سے یہ نتیجہ نکالنا تو بالکل غلط ہوگا کہ رات کا خالق کوئی اور ہے اور ان کے اندر نمودار ہونے والے ان ناخواندہ مہمانوں کا خالق کوئی اور۔ پھر دونوں کی دہائی پکاری جائے بلکہ صحیح اور موافق عقل و فطرت بات یہی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کا خالق ایک ہی ہے۔ اسی نے رات کا سکون بخشا ہے اور وہی اس میں خلل انداز ہونے والی آفتوں سے پناہ دے سکتا ہے۔ یعنی جس طرح اس کی برکتیں خدا ہی کے فیض سے ہیں اسی طرح اس کی زحمتیں بھی اسی کے اذن سے ہیں۔ پس ہر حال میں مرجع اسی کو بنانا چاہیے۔

یہاں وہ بات یاد رکھیے جس کی طرف ہم نے پیچھے اشارہ کیا کہ شر کے وجود کی اس نوعیت کو نہ سمجھ سکنے کے سبب ہی سے نادانوں نے شر کو بھی مستقل حیثیت دے دی اور پھر خیر و شر دونوں کے الگ الگ خالق مان کر ثنویت کی بنیاد رکھ دی۔ قرآن نے یہاں بہترین مثال دے کر واضح کر دیا کہ شر کی اصل حیثیت کیا ہے اور اس سے پناہ دینے والا کون ہے۔

وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ (۴)

مادی اور محسوس آفات سے پناہ مانگنے کے بعد یہ روحانی و اخلاقی آفتوں سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔

روحانی آفات
سے پناہ مانگنے
کا طریقہ

نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کے معنی گرہوں میں پھونک مارنے والوں کے ہیں۔ اگرچہ یہ مؤنث ہے لیکن اس سے عورتوں کو مراد لینا لازم نہیں ہے۔ عربیت کے قاعدہ سے آپ اس سے

ارواحِ خبیثہ اور نفوسِ خبیثہ مراد لے سکتے ہیں؛ عام اس سے کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور قطع نظر اس سے کہ ان کا اشارہ یہود و مجوس کی طرف ہو یا عرب کے ساحروں اور کاہنوں کی طرف۔

گرہوں میں پھونک مارنے کا یہ طریقہ ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے کا عمل کرنے والے اختیار کرتے ہیں۔ وہ دھاگے یا تانت پر اپنے تصور کے مطابق کچھ پڑھ کر پھونکتے اور گرہیں لگاتے جاتے ہیں۔ اور ان کے زعم کے مطابق ان کا معمول اس طرح ان کے دام میں اسیر ہو جاتا ہے اور پھر وہ اس کو جو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس صفت سے ان کا ذکر کرنے سے مقصود ان کے ڈھکل کی تصویر کھینچنا ہے۔ یہ اسی طرح کی تصویر ہے جس طرح سورۂ شعرآء میں کاہنوں کے مراقبہ کی تصویر یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (الشعرآء - ۲۶ : ۲۲۳) (اور وہ کان لگا کر بیٹھتے ہیں اور ان میں کے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں) کے الفاظ سے کھینچی گئی ہے۔ میرے نزدیک اس سے مقصود اس چیز کی لغویت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

رہا یہ سوال کہ یہ اعمالِ سفلیہ کچھ مؤثر ہوتے ہیں یا نہیں تو اس سوال پر ہم سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ کے تحت، بضمن قصۂ ہاروت و ماروت، اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں[1]۔ ہمارے نزدیک اس کا اکثر حصہ، جیسا کہ سورۂ شعرآء کی محوّلہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے محض ڈھونگ اور ڈھکل ہے لیکن اس کے اندر اگر کچھ حقیقت ہے بھی تو قرآن میں یہ تصریح ہے کہ یہ مؤثر بالذات نہیں ہیں بلکہ ان سے کسی کو ضرر پہنچایا جا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن ہی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سحر اور اعمالِ سفلیہ ہی سے متعلق فرمایا ہے: وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ - ۲ : ۱۰۲) (اور اس کے ذریعہ سے وہ کسی کو ضرر پہنچانے والے نہیں بن سکتے مگر اللہ کے اذن سے) تو جب ان سے کوئی ضرر اللہ کے اذن ہی سے پہنچ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس شر سے بچنے کے لیے بھی اللہ کے سوا کسی اور کی پناہ ڈھونڈھنے کی حاجت باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو اس کو یاد رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ لوگ، اپنے ذہن جس طرح کے بناتے ہیں ان کے ساتھ وہ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنا تعلق اپنے رب سے استوار رکھتا ہے؛ لاطائل اوہام سے اپنے کو بچاتا ہے، خدا کی یاد سے اپنے دل کو آباد رکھتا ہے، اگر کوئی افتاد پیش آتی ہے تو اس میں رہنمائی اور استعانت کے لیے اپنے رب ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر شیطان کو غلبہ پانے نہیں دیتا۔ اگر اتفاق سے اس کو کوئی چھوت لگتی بھی ہے تو اللہ کی طرف توجہ اس کے شر سے اس کو بچا لیتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن۔ جلد اول، صفحات: ۲۳۸ - ۲۴۴

اس کے برعکس اگر کوئی شخص بالکل منفعل مزاج اور وہمی ہوتا ہے۔ عقل و بصیرت سے کام لینے کے بجائے وساوس میں مبتلا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ پر مضبوط بھروسہ رکھنے کے بجائے اپنے دل کے دروازے شبہات و شکوک کے لیے کھول دیتا ہے تو اس طرح کا آدمی بالعموم کسی شیطان جن و انس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے پھر وہ اس کو ہر وادی میں گردش کراتے ہیں۔ اس گردش سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا واحد طریقہ اس سورہ نے یہی بتایا ہے کہ آدمی اپنے کو ہمیشہ اپنے رب کی پناہ میں رکھے، جب کبھی دل میں کوئی دغدغہ محسوس کرے فوراً اس کی امان طلب کرے جس کا بہترین ذریعہ یہ دونوں سورتیں —— معوذتین —— ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۵)

حاسدوں کے حسد سے بچنے کی دعا

یہ آخر میں حاسدوں کے حسد کے شر سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اگرچہ لفظ 'حَاسِد' یہاں عام ہے اور اس کو عام ہی رکھنا چاہیے بھی، اس لیے کہ جس حاسد کا حسد بھی بحرانی شکل اختیار کر لے وہ قابیل کے حسد کی طرح ہابیل کا خون بہا کر ہی اترتا ہے، اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ لیکن سورہ کی تمہید میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ بنی آدم کا سب سے بڑا حاسد شیطان ہے اور اس کو خاص کد عقیدۂ توحید سے ہے۔ اس عقیدہ سے برگشتہ کرنے کے لیے اس نے اپنے جس عزم بالجزم کا اظہار کیا ہے اس کے شواہد ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہاں سورہ بنی اسرائیل کی آیات بھی نقل کیے دیتے ہیں تاکہ 'اِذَا حَسَدَ' کے الفاظ کا زور اچھی طرح واضح ہو جائے:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ	شیطان نے کہا، اچھا یہی ہے وہ جسے
كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ	تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے! اگر تو نے مجھے
الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ	قیامت کے دن تک مہلت بخشی تو میں اس
اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ	کی ذریت کو چٹ کر جاؤں گا، صرف تھوڑے
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ	ہی بچیں گے۔ خدا نے فرمایا، جا، جو ان میں
جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝	سے تیرے پیرو بنیں گے تو تمھارا بدلہ پورا
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ	کرنے کے لیے جہنم کافی ہے تو ان میں سے
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ	جن پر تیرا بس چلے ان کو اپنے پراپیگنڈے
وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ	سے گھبرا لے، ان پر اپنے سوار اور پیادے
وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا	چڑھا لے اور ان کے مال و اولاد میں حصہ
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ	بٹا لے اور ان سے پرفریب وعدے کر لے۔
عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ	اور شیطان کے سارے وعدے محض فریب ہیں

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ٥	میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں
(بنی اسرآءیل - ۱۷ : ۶۲ - ۶۵)	اور تیرا رب اعتماد کے لیے کافی ہے۔

اس آیت سے اس زور، اس ولولہ اور ان اسباب و وسائل کا اظہار ہوتا ہے جو شیطان انسان کو توحید سے ہٹانے کے لیے بروئے کار لانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اسی چیز کی طرف 'اِذَا حَسَدَ' کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں یعنی جب کہ یہ حاسد اپنے حسد کے جوش میں اپنے ترکش کے سارے تیر آزمانے پر آمادہ ہو جائے۔

ایک ضعیف روایت

یہ سورہ کسی شانِ نزول کی محتاج تو نہیں ہے لیکن اس کے تحت لوگوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر العیاذ باللہ کچھ یہودیوں نے ایک زمانہ میں جادو کر دیا تھا جس سے آپ بیمار ہو گئے تو آپ کو یہ سورہ سکھائی گئی اور آپ اس جادو کے اثراتِ بد سے محفوظ ہوئے۔

اگرچہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس جادو کا کوئی اثر آپ کے فرائضِ نبوت پر نہیں پڑا لیکن ساتھ ہی نہایت سادہ لوحی سے یہ اعتراف بھی کر لیا گیا ہے کہ اس کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پڑا کہ آپ گھلتے جا رہے تھے، کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ کر لیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا، ازواجِ مطہراتؓ کے متعلق خیال فرماتے کہ ان کے پاس گئے ہیں لیکن نہیں گئے ہوتے، بعض اوقات اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا کہ ایک چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا۔ ان حضرات کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت گھنٹے دو گھنٹے یا دن دو دن نہیں بلکہ پورے چھ ماہ رہی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب پورے چھ ماہ آپ پر العیاذ باللہ، تعطلِ دماغ کی یہ کیفیت طاری رہی تو کیا یہ امکان مستبعد قرار دیا جا سکتا ہے کہ، العیاذ باللہ، آپ نے خیال فرمایا ہو کہ نماز پڑھ لی ہے لیکن نہ پڑھی ہو یا یہ کہ نازل شدہ وحی کاتبینِ وحی کو لکھوا دی ہے حالانکہ نہ لکھوائی ہو یا یہ کہ جبریل امین کو دیکھا ہے حالانکہ نہ دیکھا ہو؟ ان امکانات کو کس دلیل سے آپ رد کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی کہے کہ اس طرح کی کوئی بات روایات میں نہیں ملتی تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ روایات میں تمام جزئیات کہاں بیان ہو سکتی ہیں، لیکن ایک ایسے شخص سے جس کی ذہنی حالت آپ کے بیان کے مطابق وہ ہے جو مذکور ہوئی تو اس سے ان باتوں کا صادر ہونا تعجب انگیز نہیں بلکہ نہ صادر ہونا تعجب انگیز ہے۔

میرے نزدیک اس شانِ نزول کو رد کرنے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ یہ اس مسلمہ عقیدے کے بالکل منافی ہے جو قرآن نے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہمیں تعلیم کیا ہے۔ عصمت، حضرات انبیاء (علیہم السلام) کی ان خصوصیات میں سے ہے جو کسی وقت بھی ان سے منفک نہیں ہو سکتیں۔ اس عصمت کو اس امر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ نبی کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے یا وہ زخمی

ہوگیا یا وہ قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی نبوت میں قادح نہیں ہے کہ اس کو آپ اس امر کی دلیل بنائیں کہ جب نبی ان چیزوں میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مسحور بھی ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو کردہ اور ناکردہ، دیدہ اور نادیدہ میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شیطانی تصرفات سے اپنے نبیوں کو محفوظ رکھا ہے اور ان کی یہ محفوظیت دین کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ محفوظیت ہی نبی کے ہر قول و فعل کو سند بناتی ہے۔ پورا قرآن انبیاء کی عصمت پر گواہ ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کی عصمت پر ایمان رکھے۔

شانِ نزول کے اس واقعے کو اگر روایت کے اصولوں پر جانچا جائے تو اس میں نمایاں ضعف، موجود ہے۔ صحاح کی ایک روایت میں رنگ آمیزی کرنے کے لیے تیسرے درجے کی ضعیف، وموضوع روایتوں کا سہارا لیا گیا ہے اور اس کو ایک امرِ واقعہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ روایت صحاح میں سے صرف بخاریؒ، مسلمؒ اور ابن ماجہؒ نے لی ہے اور سند کے تیسرے واسطہ تک، یہ خبرِ واحد ہی رہی ہے۔ حتیٰ کہ بخاری کی ایک روایت میں سفیان بن عیینہؒ یہ اقرار کرتے ہیں کہ میں نے اسے ابنِ جریج سے بالکل پہلی مرتبہ سنا۔ گویا اس واقعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سو سال بعد شہرت پائی، اس سے پہلے اس کا علم صرف بعض افراد تک محدود رہا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ، العیاذ باللہ، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ تک مسحور رہے ہوتے تو یہ واقعہ اتنا غیر معمولی تھا کہ صدرِ اول ہی میں اس کا چرچا ہو جاتا اور یہ روایت ایک متواتر روایت کی حیثیت سے ہم تک پہنچتی۔

صحاح کی کسی روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر یہ جادو ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کتنا عرصہ رہا۔ اس کے برعکس ان تینوں کتابوں کی متفق علیہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حتّٰی اذا کان ذات یوم او ذات لیلۃ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم دعا ثم دعا، (یہاں تک کہ جب ایک دن یا ایک رات گزر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے دعا کی) اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس کا کوئی اثر آپ کی قوتِ متخیلہ پر پڑا بھی تو وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی اور یہ اثر جاتا رہا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بالکل اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ سمجھ لیا اور وقتی طور پر گھبرا گئے۔ اس طرح کی کیفیات تھوڑی دیر کے لیے طاری ہو جانا ناممکن نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات بطورِ امتحان بھی نبی کو پیش آسکتی ہیں لیکن ہوتی یہ وقتی اور عارضی ہیں تاکہ نبی کی عصمت مجروح نہ ہو۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ صحاح میں نہ اس واقعہ کو سورہ کے شانِ نزول کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور نہ یہ بتایا گیا ہے کہ معوذتین کی آیات پڑھ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تانت کی گرہیں کھولیں۔ یہ چیز واضح کرتی ہے کہ محدثین نے اس واقعہ کو سورۂ فلق سے متعلق نہیں مانا۔ یہ بعد والوں کی ذہانت ہے کہ وہ اس روایت کو معوذتین کے ذیل میں لے آئے، حالانکہ، جیسا کہ سورۂ فلق کی تفسیر سے واضح ہوا اور آگے سورۂ ناس کی تفسیر سے واضح ہوگا، ان کا مفہوم اس سے ابا کرتا ہے کہ ان کے نزول کو کسی مجہول جادوگر کے کسی شیطانی عمل کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

لاہور
۹۔ اگست سنہ ۱۹۸۰ء
۲۶۔ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۰ھ